بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مؤمنانہ زندگی اور آزمائش

انسان کیا ہے؟

آگ، پانی، ہوا، مٹی جیسے عناصر کا مرکب ہے۔ اس کا نفس نتیجتاً نفس امارہ ہے۔ اس کی فطرت میں دونوں قسم کے جذبات اور تقاضے ہیں۔ یعنی خیر اور شر دونوں کی استعداد رکھ دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ خوف اور محبت دونوں قسم کے جذبات بھی رکھ دیے گئے ہیں۔ اس کے دل کو خواہشات اور آرزؤں کا مخزن بنا دیا گیا ہے۔ اس کو عقل دی گئی ہے، تاکہ وہ خیر اور شر میں تمیز کر سکے۔ پھر اس کو مکمل آزادی دی گئی ہے، تاکہ اپنے ارادے، اختیار اور قوت کو عقل کے مطابق جیسا چاہے استعمال کر سکے۔

انسان کے دل میں دنیا کی محبت رکھ دی گئی اور دنیا کو اس کی عین خواہشات کے مطابق سجا دیا گیا۔ انسانی عقل، ہدایت انسانی کے اعتبار سے ناقص ہونے کی وجہ سے خالق کائنات نے بقاءِ وجود انسان اور بقاءِ نسل آدم دونوں کے انتظام کے ساتھ ہدایت انسانی کے لیے جامع اور اکمل ہدایت کی صورت میں شریعت دی اور اُس میں ساری ہدایات رکھ دی گئی۔ پھر ان ہدایت پر خالق کے مطلوبہ طریقۂ عمل کی خاطر رسول خدا ﷺ کو نمونۂ عمل کے طور پر پیش کیا گیا تاکہ انسان صحیح طریقے پر عمل پیرا ہو کر مقصد حیات کو پانے والا ہو جائے۔

بقیہ کائنات کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا منشأ یہ ہے کہ انسان شریعت پر عمل کر کے اسی طرح کامیاب ہو جائے، جس طرح بقیہ کائنات اس کی اپنی شریعت پر عمل پیرا ہو کر کامیاب ہو چکی۔ فرق صرف

اتنا ہی ہے کہ بقیہ کائنات کو اُن کی شریعت، اُن کی فطرت میں ڈال دی گئی ہے، جس کی وجہ سے وہ مجبوراً شریعت پر عمل پیرا ہیں اور انسان کو جو شریعت دی گئی اس میں انسان مجبور نہیں ہے، بلکہ مختار ہے کہ چاہے تو عمل کرے، چاہے نہ کرے۔ البتہ عقل، علم اور اختیار جیسی صلاحیتوں سے نوازا گیا تاکہ شریعت کی فہم اور شریعت کی عظمت کا اندازہ کر سکے، پھر اس سے انسان کے دل میں ایمان کی جڑیں مضبوط ہو جائیں اور ایک جذبہ دروں اس کو اس بات پر ابھارے کے میں اپنی زندگی قانون الٰہی کے تحت گزار کر اس دنیا سے گزر جاؤں، ایسے شخص کو مومن کہا جاتا ہے۔ جو ایمان کے تقاضوں اور مطالبات پر عمل کر کے کامیاب ہو جانے کا عہد کر لیتا ہے کہ میری زندگی میں حکم اللہ کا ہوگا اور طریقہ رسول اللہ ﷺ کا ہوگا، یعنی **لا الــہ الا الله محمد رسول الله.**

دنیا کیا ہے؟

دنیا کی حقیقت کچھ بھی نہیں حالات سے بنتی ہے دنیا
حالات بدلتے رہتے ہیں حالات کی باتیں ہوتی ہیں

دنیا اُس طریقۂ حیات اور طرز زندگی کا نام ہے، جس کو انسان حالات حاضرہ کے تحت اختیار کر لیتا ہے اور خود کو حالات سے ہم آہنگ کرتا چلا جاتا ہے۔

حالات کا اختلاف اور نظام قدرت کا اختلاف، نظام عالم کی بنیاد ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف حالات میں رکھ دیا ہے۔ کوئی امیر، کوئی غریب، کوئی تندرست، کوئی بیمار، کوئی طاقتور، کوئی حسین، کوئی بدصورت، کوئی کالا، کوئی گورا، کوئی کشیدہ قامت تو کوئی طویل قامت، کوئی خوشحال، کوئی بدحال، کوئی کثیر العیال، کوئی لا اولاد، کوئی خود مست، کوئی بے حال، کوئی عقلمند، تو کوئی بے وقوف، کوئی بہادر، تو کوئی ڈرپوک، کوئی بھوکا، تو

کوئی پیاسا، کوئی سا کت، تو کوئی بے چین، کوئی بے قرار، کوئی لنگڑا، کوئی لولا، کوئی سست، تو کوئی چست، کوئی عیاش، تو کوئی زاہد، کوئی فتنہ پرور، تو کوئی امن پسند وغیرہ۔

اختلاف، ایک انسان سے دوسرے انسان میں اوصاف کے اعتبار سے، سوچ کے اعتبار سے، علم کے اعتبار سے، عقل کے اعتبار سے، استعداد کے اعتبار سے، صلاحیتوں کے اعتبار سے، استطاعت کے اعتبار سے، اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے۔ یہ حکمت خداوندی ہے۔

اس طرح نظام قدرت کے احوال میں اختلاف رکھ دیا، کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی بارش، کبھی بہار، کبھی خزاں، کبھی دن، کبھی رات، کبھی دھوپ، کبھی چھاؤں، کبھی تاریک، کبھی نور، کہیں آبادی، کہیں جنگل، کہیں وادی، کہیں ٹیلے، کہیں پہاڑ، کہیں نشیب، کہیں فراز، کہیں قحط، کہیں سیلاب، کہیں زلزلے، کہیں آندھیاں، کہیں طوفان، کہیں بجلی کی کڑک، کہیں بادل کی گرج، کہیں کچھ تو کہیں کچھ۔

انہیں غیر یکساں حالات کا نام دنیا ہے۔

خالق کے تخلیقی منصوبے کے تحت دنیا ایک ایسی جگہ ہے جہاں مومن مسلسل آزمائشی حالات اور آزمائشی مواقع کے روبرو ہوجاتا ہے۔

گلہائے رنگ، رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

وقت، حالات اور احکامات

زمانہ کیا ہے؟ زمین کی گردش کی ایک مقدار کا نام ہے۔

گزرا ہوا زمانہ ماضی اور آنے والا مستقبل اور موجودہ زمانہ حال کہلاتا ہے۔

زمانہ ایک حالت پر نہیں رہتا، ہر زمانے کے تقاضے الگ ہوا کرتے ہیں، ہم لوگ

ماضی سے مستقبل کی طرف جارہے ہیں اور زمانہ مستقبل سے ماضی کی طرف جارہا ہے اور جاتے ہوئے ہمارے عرصۂ حیات کی مدت اور وقت بدلتا رہتا ہے۔ دوسری طرف حالات ہیں، جو وقت کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اب ہر انسان کو ایک متعین مدتِ حیات دے دی گئی ہے اور اس دوران اس کو اس کے مقدرہ حالات سے گزارا جاتا ہے تا کہ اس کی آزمائش ہو سکے۔

مؤمن کا تعلق نہ تو حالات سے رہتا ہے اور نہ ہی وقت سے، یعنی یہ دونوں بھی مِنَ اللہ ہیں اور آزمائش کے خاطر ہیں۔ مؤمن وہی ہے جو وقت اور حالات سے متاثر ہوئے بغیر احکامات پر عمل کرے، اسی کا نام ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے ذریعہ احکام روانہ فرمایا اور یہ دکھلا دیا کہ ان سارے اختلافی حالات اور کیفیات میں رہ کر بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر احکامات الٰہی کو لے کر چلیں تب ہی کامیابی ہے۔

انسانی مزاج یہ ہے کہ اگر حالات زندگی سازگار اور موافق رہیں تو احکام کی تعمیل کی جاسکتی ہے ورنہ مشکل ہے، یہ تصور دراصل انسان کی جہالت اور علمی فقدان کا نتیجہ ہے، اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جو حالات رکھے وہ سبق آموز ہیں، آپ ﷺ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، چھ سال کے ہوئے تو والدہ گزر گئیں، آٹھ سال کے ہوئے تو دادا عبدالمطلب کا وصال ہو گیا، ہجرت سے چھ سال قبل چچا ابو طالب کا اور آپ کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا، اسی کسمپرسی اور ناسازگار حالات میں آپ کو حکم تھا کہ حکم الٰہی کے پابند رہیں، کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کی کوشش جاری رکھیں، مشرکین مکہ قتل کرنے کے درپے ہو گئے تو آپ کو ہجرت کا حکم ملا، چنانچہ وطن کو خیرباد کہہ دیا، ہجرت کے حالات پر خطر تھے، حالات کا خالق اللہ

ہے، حالات پر قابو اللہ کا ہے، حالات کو اس قابل بنا دیا کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے ، اس طرح آپ عہد رسالت ۲۳ سال تک حالات کے مقابل اپنی جان ، مال اور وطن ترک کر دیے اور اپنی امت کو اپنے ساتھ لے کر چلے ، نتیجہ یہ نکلا کہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار صحابہ تیار ہوئے اور ۱۲ لاکھ مربع میل زمین پر اللہ کا خلیفہ حکومت کرنے لگا۔

حالات آزمائش کے لیے ہیں اور احکام کامیابی کے لیے ہیں:

اللہ تعالیٰ جس کو کامیاب کرنا چاہتا ہے اس کو احکام سے متاثر کرتا ہے۔ یعنی احکام الٰہی کی عظمت دل میں اتر جاتی ہے۔ اور جس کو ناکام کرنا چاہتا ہے ان کے دلوں میں وقت اور حالات یعنی دنیا کا رعب ڈال دیتا ہے۔

مکہ میں احکام کی اہمیت اور عظمت دل میں ڈالنے کی محنت کی گئی، یعنی ایمانیات کی محنت کی گئی، جس کی وجہ سے صحابہ کے دلوں سے دنیا کی اہمیت اور حالات کی اہمیت صفر کے برابر ہوگئی۔ اس طرح دنیا صحابہ کے حق میں ملعون ہوگئی۔ جب ایمانیات کے رُخ کی محنت ہو چکی اور یقین بن گیا، تو اعمال کے سلسلے کے شرعی احکام دیے گئے۔ صحابہ قانون زندگی سے واقفیت اور اس پر عمل کرنا، یہ دونوں باتوں میں اپنی زندگی گزار دیے۔

ہم لوگ ایمانیات کے رُخ کی محنت نہیں کیے، جس کی وجہ سے دنیا سے متاثر ہوگئے، تو دنیا کمانے کی محنت میں لگ گئے۔ ہم لوگ آخرت کے اقرار میں اس قدر سنجیدہ نہیں ہیں جیسے کہ ہونا چاہیے۔ جس کی وجہ سے ہمارے لیے معاشی مفادات، اُخروی مفادات سے زیادہ اہمیت کے حامل ہوگئے۔ ہم دنیا کی چیزیں پانے کو کامیابی اور نہ پانے کو محرومی سمجھنے لگے۔ حالانکہ اس کا پانا یا اس سے محروم رہنا دونوں ہی آزمائش ہیں۔ پا کر حق پر رہے یا نہ رہے، کھو کر حق پر رہے یا نہ رہے، پانا اور کھونا امتحان کے پرچے ہیں۔

کائنات میں قانون فطرت، قانون قدرت کے تحت ہے اور محتاج ہے آزاد نہیں ہے

دنیا کے اسباب اور دنیا کی چیزیں اپنے میں مستقل طور پر تاثیر نہیں رکھتے۔ اگر کوئی ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو شرک ہے۔ مثال کے طور پر لوگ مال اور دولت ہی کو قاضی الحاجات اور سب کچھ سمجھتے ہیں۔ تباہی، مال و دولت اسباب دنیا میں سے ایک سبب ہے۔ اس میں بھی اثر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، ورنہ مال رکھتے ہوئے بھی ناکامی لگی ہوئی ہے۔ اصل سبب تو اللہ کی ذات ہے، نہ کہ اسباب۔ اسباب سے سبب پیدا کرنا خدا کی عادت ہے اور بلا سبب کے سبب بنا دینا قدرت کے ہاتھ میں ہے۔ اسباب کا سارا سلسلہ قدرت کا بنایا ہوا ہے، اس طرح قدرت اسباب پر حاکم اور اسباب قدرت کے محکوم ہیں، اسباب قدرت کے پیروں میں زنجیر نہیں ڈال سکتے۔ دنیا دارالاسباب ہے اور اللہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ خواہ کسی کی حفاظت کا معاملہ ہو یا کسی کی ہلاکت کا معاملہ ہو، اسباب اہل دنیا کے لیے ہیں۔

یوسف علیہ السلام کو چاہ کنعان سے سلامتی نصیب ہوئی، یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تین دن تک رہے، لیکن مچھلی کا نوالا نہ بن سکے، اور سلامتی کے ساتھ زمین پر لائے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھری ذبح نہ کر سکی۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ریگستان میں محفوظ رہ سکے۔ حضرت عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ کے لیے آفریقہ کا جنگل سامان ہلاکت سے سامان حفاظت اور سامان امن میں بدل گیا۔ حضور اکرم ﷺ غار ثور میں محفوظ تھے۔ بوقت ہجرت بستر رسول، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بستر ہلاکت تھا، (اسباب کے اعتبار سے) لیکن حفاظت میں بدل گیا۔ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلا سکی۔ وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آگ کا خالق ہے اور آگ کی صفت یعنی جلانے کی خاصیت ہے، اس کا نہ صرف خالق ہے بلکہ اس پر قادر ہے کہ ٹھنڈک

میں اس کو بدل دے۔ پانی ہلاکت کا سبب ہے، جس پانی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سلامتی سے پار کر دیا اسی پانی کو فرعون اور آل فرعون کے لیے سامان ہلاکت بنا دیا۔

اسباب میں تاثیر، اسباب میں خاصیت سب مِنَ اللہ ہے۔ یہ سب اللہ کی مخلوق ہے۔ مخلوق پر قادر خالق ہے۔ مخلوق کی خاصیت کو سلب کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ چاہے تو آگ جلا نہیں سکتی، پانی غرق نہیں کر سکتا، چھری ذبح نہیں کر سکتی، مچھلی نگل نہیں سکتی۔

اسباب کے اثرات:

انسان اپنے اطراف اسباب کی دنیا رکھتا ہے۔ دن رات اس کو اسباب سے سابقہ پڑتا ہے، اس سے حاجت براری ہوتی نظر آتی ہے۔ وہ انسان کے کام آتے ہیں۔ ان کی افادیت سے انسان متاثر ہوتا رہتا ہے، ان کی عظمت سے دل بھر جاتا ہے، تو فطرتاً ان کا یقین دل میں جگہ کر جاتا ہے۔ اور اس بات کا قائل ہو جاتا ہے، کہ اسباب ہیں تو سب کچھ ہے، اسباب ہی سے سب کچھ ہے، گویا اسباب اس کے حق میں ارباب ہو جاتے ہیں اور اہل دنیا ان کی پرستار ہو جاتی ہے۔ انسانی فطرت کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ مسلسل اور متواتر کسی چیز کے ماحول میں زندگی گزارتا ہے تو اس کے اثرات قبول کرنے لگتا ہے اور ان اثرات سے دل متاثر ہوتا ہے اور پھر اس اثر کے مطابق انسان کا ایک یقین بن جاتا ہے۔ اس طرح جب اسباب کا اثر دلوں میں اتر گیا تو ساری مخلوق ان کو حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگی لگا دی۔ لوگ جب خدا کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے پڑ گئے تو ان میں وہ ساری برائیاں آگئیں جن کا آنا ضروری ہے۔ انبیاء کے مقابل اللہ تعالیٰ حکومتوں کو کر کے بتلا دیا کہ حکومت ایک سبب ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکی اور نبی کامیاب ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات پر غور کریں۔ اسی طرح اکثریت بھی ایک سبب ہے کہ جدھر اکثریت ہوتی ہے، دنیا میں اسی طرف

کامیابی ہوتی ہے۔لیکن جب اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا تو اکثریت حضرت شعیب علیہ السلام کے مقابل کامیاب نہ ہوسکی۔انبیاءکرام کے واقعات سے ہم کو یہ درس لینا ہے کہ اسباب بوسیدہ ہیں،اسباب بے کار ہیں، جب تک اللہ نہ چاہے۔

زہر خالد بن ولید پر اثر نہ کرسکا، کیونکہ زہر سبب ہلاکت ضرور ہے لیکن مشروط ہے یعنی اللہ چاہے تو زہر اثر کرے گا ورنہ بیکار ہو جاتا ہے۔اللہ مخلوق کا خالق،مخلوق کے افعال کا خالق،مخلوق کی خصوصیات کا خالق ہے، نہ صرف خالق بلکہ ان سب پر قادر بھی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔اللہ اسباب کا محتاج نہیں ہے، اسباب کو استعمال کرنے کا حکم ہے، لیکن اسباب ہی کو سب کچھ سمجھنا اور اس کے اندر مستقل تاثیر سمجھنا غلطی ہے۔دوا کے استعمال کا حکم ہے، اثر اللہ کے ہاتھ ہے۔

حکم الٰہی یہی ہے کہ بندہ دارالاسباب میں رہتے ہوئے اسباب سے کام لے۔ معجزات اور کرامات ایک استثنائی کیفیت ہے۔سنت اللہ یہی ہے کہ بندہ اسباب سے بھرپور کام لے، لیکن بھروسہ اللہ ہی پر کرے۔ یہ بات بھی بندۂ مومن کے حق میں ایک آزمائش ہے۔عبداللہ بن اُریقط کو راز میں رہنمائے سفر مقرر کرنا، حضور کے دولت خانہ مبارک سے غار ثور تک کے سفر کے نشانات کو بکریوں کے ریوڑ کے ذریعہ ملیامیٹ کر دینا، مشرکین کا غالب خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کسی ایسے غار میں پوشیدہ ہوں گے جو مکے سے مدینے کے رخ پر ہو، یعنی مکے کے شمال میں اور تلاش کی ابتداء بھی اسی طرف سے کی گئی، لیکن حکم الٰہی ہوا کہ مکے کے جنوب میں تین میل کے فاصلے پر غار ثور میں پناہ لیں۔

سراغ رساں یعنی نشان راہ سے پتہ چلانے والے ماہرین فن کی خدمات لی

گئیں۔ان سارے احتیاطی تدبیر کے باوجود سراغ رساں نے اپنے فن اور اپنی عقل سے غار ثور تک رہنمائی کی، عقل اور علم بھی دنیاوی اسباب میں سے ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو ان کو بے کار کر دیا، غار کے منہ پر مکڑی کو جالا تاننے کا حکم ہوا اور کبوتر نے وہاں دو انڈے دیے، اب عقل اور علم مایوس ہو گئے کہ اس غار میں کسی کا رہنا ناممکن ہے۔اس کے بعد تیسری رات غار ثور سے مدینہ منورہ کا سفر تاریکی میں شروع ہوا، ان سب تدبیر کے باوجود سراقہ بن جعشم نے تعقب کر کے دونوں کو راستے میں پالیا، وہ پیچھے سے رسول خدا کی طرف نیزہ تانا، تو فوری گھوڑے کے قدم زمین میں اتر گئے، اس کیفیت سے سراقہ پر ایک ہیبت طاری ہو گئی وہ اپنے ارادے سے باز آیا اور اپنی سلامتی سے واپسی کے لیے رسول خدا سے درخواست کیا۔ ان ساری باتوں اور دنیاوی اسباب اور اللہ کی مرضی اور قدرت پر غور کریں تو آدمی اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ دنیا کے اسباب کسی کام کے نہیں جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔

اس ہجرت کی کاروائی سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو اچھے اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔اس کے آگے منزل تک پہنچانے میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے، کہ کہیں مکڑی جالا بن رہی ہے، تو کہیں زمین میں گھوڑے کے پیر دھنسے جا رہے ہیں، اسباب سب کے سب بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں جب منشأ الٰہی کی توفیق نصیب نہ ہو، یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اسباب کو ارباب سمجھ جانا ایک زبردست غلطی ہے۔ چنانچہ کلمۂ توحید میں لا لائے نفی جنس ہے، جو اسی اسباب والے یقین کی نفی کرنے کی طرف مشیر ہے، کہ نہیں ہے کوئی کامیاب کرنے والا سوائے اللہ کے۔ہجرت سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ معجزہ کی صورت ہو یا کرامت والی بات ہو، وہ اسی وقت شامل حال ہو جاتی ہے جب اسباب پورے ہو جاتے ہیں اور بندہ توکل علی اللہ کی تصویر بنا ہوا رہتا ہے اور منشأ الٰہی اس طرح پورا ہو جاتا ہے۔

اسباب دنیا میں سے دعا بھی ایک سبب ہے۔لیکن یہ اسباب کے ساتھ ہے نہ کہ اسباب کے بغیر۔دعا اسباب کے استعمال کے بغیر کرنا سنت اللہ کے خلاف ہے اور جہالت ہے۔

اللہ مسبب الاسباب بھی ہے،مقلب القلوب بھی ہے اور قادر مطلق بھی ہے

اللہ رب العزت مقلب القلوب ہیں،یعنی دلوں کی کیفیات جان کر جس طرف خود چاہے انسان کے دل کو پھیر دیتے ہیں،حقارت کے جذبے کو انس ومحبت کے جذبے سے بدل دیتے ہیں،انتقامی جذبے کو عفو اور درگزر کے جذبے سے بدل دیتے ہیں،غم وخوشی وغیرہ سارے جذبات کے خالق وہی اور پھیرنے والے وہی ہیں۔

ایک مثال:اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر پرورش پائیں تو ٹوکرے کے ذریعے دریائے نیل میں بہتے ہوئے دربار فرعون تک پہنچ گئے،پھر جب فرعون کی نظریں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر پڑی تو اللہ تعالیٰ نے پھر ان کے دل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت سے بھر دیا۔دوسری طرف یہ انتظام ہوا کہ فرعون کی بیوی آسیہ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرعون سے سفارش کرے۔ اسباب خواہ فرعون کا دل ہو یا آسیہ کا دل،اللہ نے ان کو پھیر دیا۔اسباب کو اس قدر مؤثر کیا گیا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنے محل میں پرورش کا انتظام کر دیا ورنہ اسباب خالی برتن جیسے ہیں۔

اب یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کس وقت بندہ مومن کے شامل حال ہو جاتی ہے؟ تاریخ شاہد ہے کہ یہ اس وقت شامل حال ہو جاتی ہے جب بندہ مومن کسی کام کو اخلاص کے ساتھ توکل علی اللہ کی کیفیت میں رہتے ہوئے حکم الٰہی کے مطابق کسی کام کو انجام دینے

کے لیے کسی سبب کو اختیار کرتا ہے اور وہ اسباب دنیاوی اعتبار سے نا کافی ناقص ثابت ہوجاتے ہیں تو انہیں اسباب میں قوت ڈال دیتا ہے۔

ایک مثال: خیبر کا قلعہ فتح کرنا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضرت علی کے ذمہ کیا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ ممکنہ تدبیر اور اسباب اختیار کیے تا کہ در خیبر کو توڑ پھوڑ سکیں یا پھر اکھاڑ سکیں، آخری مرحلے میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر کے دروازے کو اس کے کڑوں میں سے نکال کر زمین پر ڈال دیے، دروازے کو کڑے سے نکالنا قوت بشری کے بس کی بات نہیں تھی اور یہ کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مکمل ہوا۔ اس لیے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرامت کہا جاتا ہے، کرامت ہو یا معجزہ یہ کسی نبی یا بزرگ کی قوت اور قدرت کی بات نہیں ہے بلکہ یہ سب مِنَ اللہ ہے۔ یعنی خرق عادت والی بات، اسباب دنیا سے آگے والی بات ہے، انسانوں کے ہاتھوں ہوتا نظر آتا ہے، لیکن انسانوں کی قوت اور قدرت والی بات نہیں ہوتی، اہل دنیا دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ دنیا کے سارے اسباب جیسے تجارت، زراعت، صنعت، ملازمت وغیرہ سب کے سب خالی برتن ہیں۔ اسباب کی دنیا میں اسباب سے کام لینے کا حکم ہے، اسباب کی دنیا میں آخرت کو سنوارنے کے لیے اسباب کو استعمال کرنا ہے، عارضی زندگی کو بگاڑ کر ابدی زندگی کو بنانا۔

محبت اور خوف

حقیقت یہ ہے کہ محبت اور خوف دونوں ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو بزدل بنا دیتی ہیں، محبت خواہ جان و مال سے ہو یا بیوی بچوں سے ہو اور خوف حکومت سے ہو یا طاقت سے یا کثرت سے ہو۔

محبت دنیا سے ہونا ایک فطری بات ہے، اسی طرح خوف بھی دنیا سے ہوتا ہے لیکن

سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ ہی سے ہو اور سب سے زیادہ خوف اللہ تعالیٰ ہی سے ہو۔ اللہ کی ذات ہی ان دونوں باتوں کی مستحق ہے اور یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو دنیا کی کوئی طاقت مؤمن پر غالب نہیں آسکتی ﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾ (اور جو ایمان والے ہیں ، وہ اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے ہیں) اگر ایسا ہو گیا کہ مؤمن اللہ ہی کو زیادہ چاہنے والا ہو گیا اور اللہ ہی سے زیادہ خوف کھانے والا ہو گیا تو اللہ سے ہٹ کر جتنی چیزوں سے مؤمن کو محبت ہے ان سے محبت ہوتے ہوئے بھی صراط مستقیم پر قائم رہنا ممکن ہے کہ ان ساری محبتوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت پر قربان کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ سے خوف زیادہ رکھے تو دوسروں کے خوف کا مؤمن پر اثر نہیں ہوسکتا، سب سے بے خوف ہو جاتا ہے۔

ایسے محبت کے نقشے اور خوف کے نقشے انبیاء، صحابہ اور اولیاء کے واقعات میں ملیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام تکمیل احکام الٰہی میں قوم کی مخالفت کا خوف نہیں کھائے، بلکہ اللہ کے خوف کو غالب رکھے تو تعمیل حکم الٰہی آسان ہو گیا۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کو اکثریت کا خوف غالب ہوتا تو حکم الٰہی کو ایک باز و رکھ دینا پڑتا تھا، اس طرح طاعت الٰہی میں خوف الٰہی مددگار ہوتا ہے، حکومت کا خوف بھی ایک خوف ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام حکومت فرعون کے مقابل ہو گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکومت فرعون کا خوف کچھ نہ کر سکا کیونکہ وہ اللہ سے زیادہ خائف تھے، پھر حکومت کے مقابل کامیاب رہے۔ یہی حال حضرت شعیب علیہ السلام کا تھا کہ وہ قوم کے مقابل کامیاب ہوئے صرف اس وجہ سے کہ حضرت شعیب علیہ السلام پر اللہ کا خوف غالب تھا، اللہ پر کامل بھروسہ تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ مصر سے خوفزدہ نہیں ہوئے اور کامیاب رہے ایسے بیسوں نقشے صحابہ کرام کی حیات طیبہ میں ملیں گے، جہاں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ پر اللہ کی محبت اور اللہ ہی کا خوف غالب رہا

،اس کے مقابل کسی کا خوف یا کسی کی محبت صحابہ کرام کو راہ حق سے نہ ہٹا سکی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔سورہ بقرہ ،۴۱۔۴۰ (بنی اسرائیل کو ان کی سرکشی سے بعض رکھنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرماتا ہے)

﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِيْ أُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَ إِيَّايَ فَارْهَبُوْنَ.﴾ آیث ۴۰

﴿ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلاً وَ إِيَّايَ فَاتَّقُوْنَ. ﴾ آیث ۴۱

آیات مذکورہ میں تقدیم مفعول(إِيَّايَ)اختصاص کے لیے ہے، کہ خوف کرنا ہے تو اسی سے خوف کرنا ہے۔ کیونکہ خوف کا مستحق وہی ہے محبت اور خوف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

ذرا غور کرو تو پتہ چلے گا کہ اوامرِ الٰہی پر عمل پیرا ہونا اسی وقت ممکن ہے، جب اللہ تعالیٰ کی محبت دنیا کی ساری محبتوں پر غالب ہو۔اسی طرح نواہی(آس پاس) سے پرہیز اسی وقت آسان ہو جاتا ہے، جب مؤمن اللہ تعالیٰ کے خوف کو سارے خوفوں پر غالب رکھتا ہے۔ حق بات تو یہ ہے کہ خوف الٰہی کا دوسرا نام ایمان ہے۔ایمان اور خوف دونوں ایک ہی بات ہے۔اس طرح ایک مؤمن یہ اپنی روش بنالے کہ زندگی میں، کہیں بھی، کسی جگہ بھی، کسی وقت بھی، اللہ تعالیٰ سے بے خوف نہ رہے۔ کیونکہ بے خوفی، بے ایمانی ہے، کم خوفی، کم ایمانی ہے۔اگر مال کی محبت مؤمن پر غالب آ گئی تو اس کو حاصل کرنے میں شرعی حدود کو توڑ کر حاصل کرتا ہے، ناجائز طریقوں سے حاصل کرتا ہے، رشوت کے عنوان سے،سود کے عنوان سے،حرام خوری کے عنوان سے، جہیز اور لین دین کے عنوان سے۔اگر اس کے برعکس ہو گیا کہ اللہ ہی کی محبت ساری محبتوں پر غالب رہے تو شرعی احکام پر عمل آسان ہو جائے گا۔

عمر ساری تو کٹی عشق بُتاں میں مؤمن

آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہوں گے

بہت ہی سخت سزا تھی ہماری مجبوری　　کہ ایک عمر گزار آئے بے ضمیروں میں

مومن کے ازمائش دراصل اس کے ایمان کی ازمائش ہے

کرۂ ارض جس پر انسان کو بسایا گیا ہے وہ بہت بڑی کائنات کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔اس کرہ کو مصلحت خداوندی اور حکمت خداوندی کے تحت سجایا گیا ہے۔اس کرہ میں وہ ساری سہولتیں انسان کو عطا کی گئیں جو کسی اور مخلوق کو نہیں عطا کی گئیں۔پھر علم اور عقل سے سنوار کر ساری مخلوق میں اس کو اشرف بنا کر عزت افزائی کی گئی اور ساری مخلوق کو اس کی خاطر مُسخّر کر کے اس کو ان پر تصرفات کا حق دیا گیا۔

مؤمن کی آزمائش صرف اس بات میں ہے، کہ وہ اپنی آزادی کو شریعت کے تحت کر دے۔یعنی اپنی عقل، ارادے، اختیار اور قوت کو شریعت کے مطابق کر دے۔یعنی عقل، شریعت کے ماتحت ہو کر جسمانی اور ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں کو اس خصوص میں لگا دے کہ انسان کا نفس، نفس امارہ سے نفس لوامہ اور پھر آگے ترقی کر کے نفس مطمئنہ تک پہنچ جائے۔اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی نفس پسند ہے۔مگر یہ بغیر مجاہدہ نفس ناممکن ہے۔بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں ،جیسے نفس امارہ، خواہشات نفس، نفس مرغوبات دنیا وغیرہ۔

عام حالات میں مؤمن کی آزمائش ناممکن تھی۔اس لیے دنیا ہی ایک ایسی جگہ کا نام ہے جہاں دن رات حالات میں تغیرات آتے رہتے ہیں۔گویا حالات کے مجموعے کا نام دنیا ہے اور حالاتِ دنیا مؤمن کے لیے سازگار نہیں ہوتے۔کیونکہ دنیا میں انسان فطری طور پر نفسیاتی ترغیبات، (نفس امارہ) کے زیر اثر رہتا ہے۔اس کے علاوہ اس دنیا میں اکثر شیطانی غلبہ، وساوس اور باطل پرستوں کا ہجوم رہتا ہے اور ایک مؤمن کو دین حق پر قائم رہنے کے لیے

ہرقسم کی منفی ترغیبات اور''ایمان مخالف ماحول'' کے خلاف لڑنا پڑتا ہے۔

ایمان لانے کے فوری بعد جہاد کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ دنیا کیا ہے؟ دنیا وہ جگہ ہے جہاں اکثر انسان اپنی آزادی کا غلط استعمال کرنے سے انسانی زندگی کے ہر گوشے میں ایمانی اعتبار سے خرابی آجاتی ہے۔ ایسے بے ایمانی اور کم ایمان کے ماحول میں ایک مؤمن کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں رکاوٹیں مزاحمتیں اور پریشانیاں درپیش ہوتی ہیں۔ جیسے مال کی حرص، نفسانی خواہشات کا چلن، مفاد پرستی کا جھکاؤ، رسومات وروایات کا دباؤ، مصلحتوں کے تقاضے، ذاتی انا کا مسئلہ، کہیں حاکمیت کی حالت، کہیں محکومیت کی حالت، کہیں ظلم و زیادتی، کہیں مظلومیت، کہیں فقروفاقہ، کہیں عیش وتنعم۔ یہ سب کیا ہیں؟ ایک مؤمن کو مسلسل آزمائشی حالت اور آزمائشی مواقع کے روبرو ہونا ہے، دوسری طرف اللہ تعالی کو ان حالات سے یہ مطلوب ہے کہ مومن کن حالات میں کس قسم کا ردعمل کرتا ہے۔ حاکمیت میں فخر وناز، ظلم وزیادتی، سرکشی، لوٹ گھسوٹ کا شکار ہوتا ہے یا نہیں اور محکومیت میں منفی جذبات، مایوسی اور ناامیدی کا شکار ہوتا ہے، اگر دونوں حالتوں میں شکار ہو گیا تو امتحان میں ناکام ہو گیا اور شکار نہ ہو کر شکر اور صبر جیسے جذبات اپنے دل میں رکھا اور اپنی نگاہ ذمہ داریوں پر رکھا، توکل علی اللہ کی صفت سے متصف رہا، ساری باتوں کو منَ اللہ جان کر راضی بہ رضا رہا تو سمجھو کہ آزمائش میں کامیاب ہو گیا۔

انسان کو خود مصائب میں پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی زندگی میں موسم کے اعتبار سے بھی تغیرات آتے ہیں، آسمانی آفات وبلیات، قحط وسیلاب، زلزلے، وبا وغیرہ کی پریشانیاں، زمانے کے نشیب وفراز سے گزرنا وغیرہ۔ بہر حال ہر موقع پر، ہر مرحلے پر مومن تحت آزمائش رہتا ہے۔ دوسری طرف بقائے حیات اور بقائے نسل آدم کے سلسلے کی ذمہ داریوں کو پوری کرتے ہوئے مقصد حیات یعنی اطاعت دین کے ساتھ اشاعت دین اور اقامت دین والی

ذمہ داریاں پوری کرنا ہے۔

غم دنیا، غم جاناں، غم منزل، غم راہ
کتنے غم زیست کے ہمراہ چلا کرتے ہیں
یاد ماضی، غم امروز، امید فردا
کتنے سایے میرے ہمراہ چلا کرتے ہیں

زندگی قید یا مشقت ہے کس کو ارام کس کو راحت ہے

مادہ پرستوں، زر پرستوں، خواہشات پرستوں، دنیا پرستوں کی بستی میں خدا پرست بن کے رہنا گویا ایک زبردست امتحان ہے۔ وقت کے نظام، وقت کے ماحول کے خلاف، وقت کے تقاضوں کے خلاف، وقت کے دھارے کے خلاف چلنے کا فیصلہ مؤمن کو کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے شعوری ایمان، پختہ عزم اور آخرت کے پختہ یقین کا ہونا ضروری ہے۔ ایک طرف تو وقت کا جما جمایا معاشرہ ہوتا ہے، جو اپنے مخصوص نظریات اور عملیات کے ڈھانچے میں ڈھلا ہوتا ہے۔ زندگی کے سارے شعبۂ حیات میں اپنا رعب جمایا ہوا ہوتا ہے۔ ان سب کے مقابل ایک صاحب ایمان کھڑا، دل میں ایک آرزو کو لیے ہوئے ہے کہ اس سے مختلف ایک اور طرز زندگی ہو، جس پر خود کے چلنے کے ساتھ ساتھ سارا ماحول چلنے والا ہو جائے۔ اس کو یہی ایک فکر شب و روز بے قرار رکھتی ہے کہ کس طرح باطل افکار، باطل نظریات کو ختم کر کے حق کو غالب کیا جائے۔ اس کی یہ بے چینی اس کے ایمان باللہ کا تقاضا ہوتا ہے۔ دوسری طرف خارجی ماحول ایسے شخص کی مخالفت کیے بغیر نہیں رہتا کیونکہ خارجی ماحول دنیا زندگی میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔

مؤمن داعی حق کے مقام پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس میں ایمان کا جذبہ ایسا ہوتا ہے کہ

دعوت دین کی راہ میں اپنے جائز مفادات اور جائز حقوق کو ترک کر دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ مومن کو کہیں حق کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اور کہیں اعتراف کے نتیجے میں اپنی انا کو دھکا اور کہیں مال کے حرص و ہوس کے تقاضے سے کسی کے مال میں خیانت کا جذبہ یا پھر تواضع کی مطلوب زندگی گزارنے میں اپنے نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے، یا غصہ پر انتقام کے جذبے کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور یہ سب باتیں اپنی ذات کے نفس کے ہم معنی ہو جاتی ہیں یا پھر معاشرتی زندگی میں انصاف اور حق گوئی کا وقت آ جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں اپنی مقبولیت جو لوگوں کے درمیان ہے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے یا خود غرضانہ روش کو ترک کر کے اصولی کردار کو اختیار کرنے میں سہولیات او تعیّشات سے محرومی نظر آتی ہے۔

بہرحال مؤمن کے ایمانی تقاضوں اور مؤمن کے نفسی تقاضوں کے درمیان رسہ کشی ہوتی رہتی ہے۔ ایک طرف خواہشات حرص و ہوس کا جذبہ اور مال کی کشش مؤمن کو مجبور کرتی ہے، تو دوسری طرف روز قیامت، حساب و کتاب، اعمال نامہ، سزا و جزا پر مشتمل جذبات ایمانی قوت اس کو ان کاموں سے روکتی ہے۔ اس کشمکش میں مؤمن اگر اپنے نفسی ترغیبات کو دبا کر، اپنی انا کو قربان کر کے، اپنی خواہشات کو دفن کر کے، مفاد پرستی کا مربع اور خودغرضی کی روش کو ذبح کر کے، حق پر قائم رہتا ہے تو وہ کامیاب ہے۔ نفس مطمئنہ کے زمرے میں آ گیا، **أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** والی جماعت والا ہو گیا، **فَوْزُ الْعَظِيمِ** کو پانے والا ہو گیا، اور اگر ایسا کرنے والا نہ ہو سکا تو سمجھ لو کہ اپنی آخرت کو برباد کر لیا۔

جو جان دے کے پائیں تو فوز عظیم ہو | وہ چیز مانگتے ہیں تن آسانیوں میں ہم

دنیا مسائل و مشکلات اور مصائب سے بھری ہوئی ہے۔

مشکلیں اتنی، غم اتنے، مسائل اتنے

زندگی تجھ کو، بتا کیسے گزارا جائے

کائنات ساری کی ساری وسیع خلا میں پھیلی ہوئی ہے۔اس کے مقابل کرہ ارض کی دنیا،کمیت کے اعتبار سے بہت ہی چھوٹی ہے۔ پھر یہ دونوں دنیائیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

وسیع کائنات کا معاملہ یہ ہے کہ وہ آخری حدتک ایک معیاری کائنات ہے۔اس میں کسی قسم کا نقص یا خرابی نہیں ہے۔ ہرطرف امن اور سکون ہے۔ جیسے سورج کی گردش، دن رات کا بننا، ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا بننا، بارش کا ہونا وغیرہ۔اسی طرح نباتات، جمادات، حیوانات کی دنیا نقائص سے پاک ہے۔

اب خرابی کا مسئلہ کرہ ارض پر انسانی دنیا ہی میں ہے، جو کہ کائنات کا ایک حصہ ہے۔ جزء کی اصلاح کُل کو نظر میں رکھ کر کی جائے گی،یعنی جو کُل کے تناظر میں جانچا جائیگا۔ کُل کا حال یہ ہے کہ اس کی اپنی دی ہوئی شریعت پر وہ صد فی صد پابند ہے،لیکن اس کے مقابل میں جزء یعنی انسانی دنیا اپنی دی ہوئی شریعت پر پابند نہیں ہے۔اس اعتبار سے کہ اس کو دی ہوئی آزادی کا غلط استعمال ہو رہا ہے، بدامنی،فساد، ناانصافی وغیرہ آزادی کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔اس طرح دنیا زبردست مشکلات،مصائب والی دنیا ہوگئی۔

سکون، پیار، تبسم، بہار، گل، شبنم
خوشی میں زیست کو کیا کیا سمجھ رہے تھے ہم

مؤمن جب اپنے اطراف کی دنیا کا جائزہ لیتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے لیے رکاوٹ کے طور پر دو قوتیں مزاحمت پیش کر رہی ہیں۔

(۱) خود نفس۔(۲) خارجی ماحول۔

ان کوختم کرنا ناممکن، بلکہ یہ قیامت تک رہیں گے۔البتہ اس کا حل قرآنی یہ ہے کہ آدمی اپنی آزادی کو شریعت کے تحت کر کے حکمت اور تدبیر اور صبر کے ساتھ معاملے کو سلجھائے۔جیسے جہالت کے مقابلے میں اعراض،عمل سوء کے مقابلے میں عمل حسن،ایذا کے مقابلے میں عفو ودرگزر سوءظن کے بجائے حسن ظن،حمیت اور طرفداری کے بجائے انصاف وغیرہ۔بہرحال ردعمل کی نفسیات سے متاثر ہوکر اینٹ کا جواب پتھر سے والا طریقہ اختیار نہ کریں۔بلکہ برداشت اور اعراض سے کام لیں۔ایسی صورت میں قدرت کا قانون حرکت میں آئے گا اور زیادہ بہتر طور پر اس مسئلہ کا حل نکلے گا اور خدا کا منصوبہ،امتحان اور آزمائش اسی سے پورا ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ صبر اور اعراض کا ثواب بہت ہے۔قرآن میں ۱۰۰ سے زائد مقامات پر صبر کا ذکر آیا ہے۔اس سے اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صابر کے ساتھ ہوجاتا ہے دنیا صبر ہی کی جگہ ہے۔

نفس امارہ کی خصوصیات

نفس امارہ انسان کوخودغرض،تکبّر، نافرمانی،سرکشی،خواہشات کی تکمیل،تغافل اور تساہل کی ترغیب دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر نفس،انسان پرحکومت کرتا ہے اور انسان کو اپنی مرضی پر چلاتا ہے۔نفس،امارہ کی غلام ہوجاتی ہے،نفس امارہ،انسان کو جب تک ذلیل وخوار نہیں کر دیتا اس وقت تک اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔جس شخص پر نفس امارہ حکومت کرتا ہے وہ شخص نتیجتاً دوسروں کا محکوم ہوجاتا ہے۔ان سب باتوں سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ حقیقتاً آزادی انسان کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ اپنے نفس کی غلامی سے آزاد نہیں ہوجاتا۔

نفس کی غلامی کی چھ قسمیں:

(۱) جسمانی غلامی: جیسے زید نے حامد کوخرید کر اپنا غلام بنالیا۔

(۲) سیاسی غلامی: جیسے ہم کسی غیر اسلامی حکومت کے غلام ہیں۔

(۳) اقتصادی غلامی: جیسے سرکاری ملازمت وغیرہ۔

(۴) ذہنی غلامی: جیسے ہم مغرب زدہ ہو گئے کہ مغرب کی ہر چیز ہم کو پسند ہے۔

(۵) روح یا ضمیر کی غلامی: جیسے ہم کسی صوفی یا ملاّ کے غلام ہو گئے۔

(۶) نفس کی غلامی: ساری دنیا اسی میں ملوث ہے اور مؤمن تزکیہ نفس کے ذریعے نفس امارہ کو نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ تک پہنچاتا ہے۔ ایک مثال کہ نفس امارہ کا غلام دوسروں کا محکوم اس طرح ہوتا ہے کہ پہلے وہ نفس، انسان کو حکم دیتا ہے کہ دولت حاصل کرو تا کہ عیش کر سکو، لہذا انسان دولت مندوں کے در پر چکر لگانا شروع کرتا ہے، پھر دولت مند لوگ اس آدمی سے سودا کرتے ہیں کہ اگر تم ہماری اطاعت قبول کرو گے تو ہم بھی تمہاری آرزو پوری کریں گے، اس طرح وہ دولت کی خواہش پوری کرنے میں دوسروں کا محکوم ہو گیا، اگر دولت نہ چاہتا تو یہ نہ ہوتا۔

حدیث :دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

قرآن مجید اگر سمجھ کر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مذمّت کی ہے، تا کہ اہل دنیا ''دنیا رخی'' زندگی ترک کر کے ''آخرت رخی'' زندگی اختیار کریں۔ چنانچہ انبیاء کرام کو بھیجنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگوں کو جو دنیا کی محبت میں غرق ہو کر دنیا کمانے کی محنت میں شب و روز خود کو لگا رہے ہیں اور دنیا کو نشانہ اور مقصد حیات بنا کر زندگی گزار رہے ہیں ان کو آخرت کی طرف پھیر دیں۔

فطرت انسانی کی چاہت کے عین مطابق اللہ تعالیٰ نے اس کرّہ ارض کو سنوارا، سجایا، اس میں قدرتی مرغوبات بھی ہیں اور دنیاوی مرغوبات بھی ہیں۔ اب قرب قیامت سائنس کی ترقی کی وجہ سے صنعتی مرغوبات کا بھی بھرمار ہے۔ پھر خود خالق ارض وسماں ہی

انسانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ اس دنیا کی دلکشی تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے، اس سے بچ کر رہو۔﴿ فَلاَ تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلاَ يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾ (سورہ لقمان ۳۳) (بس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور دھوکے باز شیطان تم کو خدا کے بارے میں دھوکہ نہ دے) یعنی تم کو دنیاوی زندگی جو دلکش ہے وہ دھوکے میں نہ ڈالے کہ تم اس کے نظاروں میں گم ہو کر آخرت کو بھول جاؤ، صنعت الٰہی میں گم ہو کر صانع کو بھول جاؤ، نقش میں گم ہو کر نقاش کو بھول جاؤ، تصویر میں گم ہو کر مصور کو بھول جاؤ، اور اگر ان سب سے بچ گئے، دھوکہ نہ کھا سکے تو ایک اور سخت از مائش ہے وہ ہے شیطان۔ جو کہ دھوکہ باز ہے، دغا باز ہے، انسان کا کھلا دشمن ہے، اللہ سے دور رکھنے اور دور کرنے والا ہے، اس کے دھوکے اور وساوس سے بچنا بھی ایک از مائش ہے۔

دنیا اللہ کے دوستوں کی دشمن اور اللہ کی دشمن ہے۔ پس دنیا سے دور ہونے اور اللہ سے قریب ہونے کے لیے کافی صبر کی ضرورت ہے۔

حدیث: دنیا مردود ہے اور اس کا چاہنے والا کتا ہے۔

حدیث: دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔

حدیث: لوگوں دنیا میٹھی ہے اور سبز ہے اور اللہ تم کو اس دنیا میں خلیفہ بنایا ہے پھر دیکھتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو۔ بنو اسرائیل کے لیے جب دنیا زیادہ ہوگئی تو وہ دنیا میں پڑھ کر حیران ہو گئے۔

حدیث: دنیا ملعون ہے۔

تشریح: دنیا اور دنیا کی چیزوں کا خالق اللہ ہے۔ اس لیے دنیا اپنی ذات میں فی نفسہٖ ملعون نہیں ہے، یہ دراصل دنیا کا استعمال ہے، جو اس کو ملعون یا غیر ملعون بنا دیتا ہے۔

جیسے اگر کوئی شخص لذات میں پڑھ کر بے خود ہوکر اللہ کو بھول جاتا ہے تو دنیا اس کے لیے ملعونیت کے درجے میں ہے اور جس شخص کے لیے دنیا کا پانا یادالٰہی کا ذریعہ بن جاتا ہے تو اس کے لیے رحمت اور سعادت ہے۔

دنیا کے حالات اور اس کے نشیب وفراز اور دنیا کے اسباب یہ سب چیزیں ایک مؤمن کے حق میں آزمائشی پرچے (Test Paper) ہیں۔ سب کے لیے پرچہ الگ، سب کے سوالات الگ، سب کا امتحان الگ، سارے امتحان دینے والوں کے لیے امتحان حال مشترک یعنی دنیا۔ اور وقت یعنی عمر سب کو الگ الگ دے دی گئی۔ کسی کو ۵۰ سال، کسی کو ۷۰ سال، کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ۔ آزادی میں سارے انسان مشترک، سب کے سب آزاد، چاہیں تو عقل کو شریعت کے تحت کریں چاہیں تو نہ کریں۔

حدیث: مومن کے دل میں دنیا اور آخرت دونوں کی محبت جمع نہیں ہوتی، جس طرح سے ایک برتن میں آگ اور پانی جمع نہیں ہوسکتے۔

حدیث: روز قیامت کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے عمل پہاڑوں جیسے ہوں گے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ ان کو دوزخ میں لے جاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ لوگ نمازی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ نمازی بھی ہوں گے، روزہ بھی رکھتے ہوں گے اور راتوں کو جاگتے بھی تھے، مگر ان میں یہ بات تھی کہ جب دنیا کی چیز ان کے سامنے ہوتی تو وہ اس پر کود پڑتے تھے یعنی مال کی چاہت تھی۔

حدیث: میرے بعد تمہارے پاس دنیا آئے گی، جو تمہارے ایمان کو ایسا کھا جائے گی جس طرح آگ لکڑی کو۔

حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ بخدا! رسول اکرم ﷺ کے تین دن ایسے نہیں

گزرے کہ اپ کی آمدنی آپ کے قرض سے زیادہ ہوئی ہو۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دنیا تم کو یہاں تک محبوب ہوگی کہ تم اس کی اور اس کے لوگوں کی پرستش کرنے لگو گے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عاقل تین ادمی ہیں۔(۱) وہ جو دنیا کو ترک کردے، قبل اس کے کہ وہ ترک کردے۔(۲) جو اپنی قبر، قبر میں جانے سے قبل بنا لے۔ (۳) وہ جو خالق کو اس کے روبرو ہونے سے قبل ہی راضی کرلے۔

انسان کے دشمن تین ہیں:

(۱) دنیا۔(۲) شیطان۔(۳) نفس

دنیا سے پرہیز، نفس سے ترک شہوات وخواہشات اور شیطانی وساوس کی مخالفت کرنا ہے۔ جو چیزیں قبر میں نہیں آتیں ان سے بقدرضرورت فائدہ اٹھائیں، کھانا، لباس، مکان نکاح اور جو چیزیں زندگی میں ضروری ہیں ان سے بقدر حاجت اور بقدرضرورت مستفید ہوں تا کہ ان کی محبت میں نہ پڑ جائیں۔

انسان کے لیے ہادی کا ہونا ضروری ہے

انسان کے اردگرد ایک وسیع اور متنوّع کائنات پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں انسان کی راحت قلبی اور جسمانی اعتبار سے اور عیش وعشرت کے اعتبار سے بے شمار چیزیں موجود ہیں، جو دلکش اور دل ربا ہیں اور انسان کی نہ تھمنے والی خواہشات اور غیرمحدود شہوات کو دعوت عیش دیتی رہتی ہے

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ ساری چیزیں انسان کے لیے غیرمفید اور نفع بخش اور کارآمد نہیں ہے۔ بہت سی چیزیں وہ ہیں جو انسان کے لیے مہلک ہیں، عقل کے لیے

نقصان دہ اور اخلاق کے لیے تباہ کن ہیں۔لیکن انسان اس کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھ کر اس کی طرف لپکتا ہے اور اس کے اندر جو مضرت پوشیدہ ہے اس سے انسان ناواقف ہے۔اس پر مزید یہ ہے کہ خواہشات کے دبیز پردے انسان کو اندھا بنا دیتے ہیں اور انسان چشم بینا رکھنے کے باوجود نابینا ہو جاتا ہے۔اس کے کان ہوتے ہیں لیکن سچائی کو سننے سے قاصر ہیں، وہ احساسات کی نعمت سے سرفروز ہوتا ہے، لیکن بے حسی اس کے حواس پر غالب آجاتی ہے۔ اس لیے انسان خواہ کتنا ہی عقلمند ہو اس کو ایک ہادی کی ضرورت ہے۔

اقبال اس کائنات کے بارے میں فرماتے ہیں:

مجھ کو بھی نظر آتی ہے یہ بوقلمونی
وہ چاند، یہ تارا ہے، وہ پتھر، یہ نگیں ہے
دیتی ہے میری چشم بصیرت بھی یہ فتوی
وہ کوہ، یہ دریا ہے، وہ گردوں، یہ زمیں ہے
حق بات کو لیکن میں چھپا کر نہیں رکھتا
تو ہے تجھے جو کچھ نظر آتا ہے نہیں ہے

اللہ تعالی انسان کا خالق ہے، وہی انسان کی ساری کمزوریوں،عیوب ونقائص، خوبی اور خرابی سے واقف ہے۔اسی نے انسانی ہدایت کے لیے اپنی طرف سے انتظام فرمایا۔ اس مقصد کے لیے قانون زندگی کے طور پر قرآن مجید نازل کی گئی۔اب قیامت تک انسانیت کی ہدایت،اس کی دنیا اور آخرت کی کامیابی، فلاح وصلاح،اللہ تعالی کی اسی کتاب سے متعلق ہے۔انسان الٰہی قانون کو قانون حیات بنالے اور روزانہ علم اور عمل کے ذریعے روحانی ارتقا سے آخرت رخی زندگی کو سنوارتے رہے۔

حدیث: وہ آدمی مومن کی حیثیت سے کامل نہیں ہے جس کے دو دن یکساں گزرے۔

حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم میں سے کون چاہے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو آنکھ والا کر دے اور اس کا اندھا پن جاتا رہے، تو جان لو کہ جس شخص کی رغبت دنیا کی طرف ہوگی اور وہ اس میں آرزوئیں اور تمنائیں کرتا رہے گا تو اسی قدر اللہ تعالیٰ اس کو اندھا کر دے گا اور جو کوئی اپنی آرزوؤں کو مختصر کر دے گا اور دنیا میں زہد اختیار کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو بے سیکھے علم دے گا اور بغیر کسی کے بتلائے ہدایت دے گا۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ بحرین روانہ کیے تھے۔ واپسی پر وہ اپنے ساتھ مال لائے۔ مدینہ میں لوگوں کو اطلاع ہوگئی تو سب کے سب نماز فجر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے، تو ارادہ تشریف لے جانے کا ہوا، صحابہ آپ کو روک کر کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم کو ابوعبیدہ کا کچھ مال لانا معلوم ہو گیا ہے؟ انہوں نے مثبت میں جواب دیا، آپ نے ارشاد فرمایا خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہاری تکلیف تم سے دور کر دی، بخدا میں اس بات سے خوف نہیں کرتا کہ تم محتاج ہو جاؤ گے، البتہ اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں تم پر دنیا کی زیادتی ایسی نہ ہو جائے، جیسی تم سے پہلے لوگوں پر ہوئی تھی اور انہی کی رغبت تم میں آجائے پھر دنیا تم کو بھی انہی کی طرح تباہ کر دے۔

حدیث: اگر تم جان لو اس بات کو جو میں جانتا ہوں تو بہت روؤ اور بہت کم ہنسو اور دنیا تمہارے نزدیک ذلیل ہو جائے اور تم آخرت کو اختیار کرنے والے ہو جاؤ۔

مذکورہ حدیث میں علم کی کمی اور معرفت الٰہی کی کمی کی طرف اشارہ ہے کہ انسان

ان دونوں کی کمی کی وجہ سے اپنی زندگی، ہنسی، مذاق اور کھیل، کود میں گزار دیتا ہے اور دنیا کی محبت میں لت پت ہوجاتا ہے اور آخرت سے بے رخی برتتا ہے۔ اگر انسان میں علم دین کی گہرائی آجائے اور معرفت الٰہی حاصل ہوجائے تو وہ دنیا کی زندگی میں غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہوجائے، متفکر ہوجائے، اور شب و روز وہ دنیا گریز زندگی گزارنے والا ہوجائے۔

کنویں میں تیر کر اکڑو نہ شاہدؔ
سمندر فکر کا گہرا بہت ہے

کسی اللہ والے کے قریب ہوجاؤ گے تو دنیا کی حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔

اسی سے پوچھ کے پیش نگاہ ہے جو کچھ
جہاں ہے یا کہ فقط رنگ و بو کی طغیانی
صیاد(۱) ہے کافر کا، نخچیر(۲) ہے مومن کا
یہ دیر کہن(۳) یعنی بت خانہ رنگ و بو(۴)

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اگر دنیا کو آخرت کے عوض میں دے ڈالے گا تو دونوں میں نفع رہے گا اور اگر آخرت کو دنیا کے بدلے میں دے دے گا تو دونوں میں نقصان رہے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تین حصے کیے۔

(۱) صیاد: شکاری۔
(۲) نخچیر: شکار۔
(۳) دیر کہن: دنیا۔
(۴) بت خانہ: دنیا۔

(۱) ایک حصہ مومن کے واسطے۔

(۲) ایک حصہ منافق کے واسطے۔

(۳) اور ایک کافر کے واسطے۔

مومن اس دنیا کو توشہ آخرت سمجھتا ہے اور توشہ آخرت تیار کر لیتا ہے اور منافق ظاہر کی زینت اور کافر اس دنیا سے کامیاب ہوتا ہے۔ حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی خواہش سے وہی صبر کرتا ہے، جس کے دل میں شغلِ آخرت ہو۔

ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تھوڑی سی دنیا، بہت سی آخرت سے باز رکھتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: دنیا کی محبت اور گناہوں کی محبت دل کو پراگندہ کرتی ہے۔ اب اس میں خیر کس طرح پہنچے۔

بعض اکابر کا کہنا ہے کہ ہم دنیا کو دشمن سمجھتے ہیں، پھر بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور اگر اس کو دوست سمجھتے تو کیا جانے کیا حال ہوتا۔

جو خوب غور سے دنیا کو کوئی دیکھے لبیبؔ
لباس دوست میں دشمن نظر پڑے اس کو

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں چھ چیزیں ہیں وہ سب واہیات ہیں: (۱) کھانا۔ (۲) پینا۔ (۳) سواری۔ (۴) نکاح۔ (۵) خوشبو۔ (۶) لباس۔

سب کھانوں میں عمدہ شہد ہے جو مکھی کا لعاب ہے۔ اور پینے کی چیزوں میں پانی ہے جس میں نیک و بد سب مساوی ہیں۔ اور لباس میں اشرف اور اعلیٰ ریشم ہے جو کیڑوں کے لعاب سے بنتا ہے۔ سواریوں میں اشرف گھوڑا ہے جس پر لڑائی میں مارے جاتے ہیں۔ اور منکوحات میں سے اشرف عورت کی صحبت ہے جو پیشاب گاہ کا پیشاب گاہ میں جانا ہے۔

عورت اپنے جسم میں اچھے اعضاء کو سنوارتی ہے، مگر اس میں سب سے بری چیز کی طلب ہوتی ہے۔ اور سونگھنے کی چیزوں میں عمدہ چیز مشک ہے جو حیوانوں کے خون سے بنتا ہے۔ غرض کہ سب چیزیں ایسے ہی واہیات ہیں، یعنی لغو، فضول اور بکواس۔

دنیا کی محبت دل سے نکالو تا کہ عبادت کثرت سے ہو سکے، دنیا کی مشغولیت انسان کے ظاہر اور باطن کو عبادت سے روکتی ہے۔ ظاہر کو اس طرح کہ طلب دنیا کے لیے مارا مارا پھرے گا اور باطن کو اس طرح روکتی ہے کہ انسان کے دل میں لحہ بہ لحہ دنیا کے ارادے اور وسوسے پیدا ہوتے رہیں گے اور یہ دونوں عبادت میں رکاوٹ بنیں گے۔ کیونکہ دل ایک ہے جب وہ ایک کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے تو اس کی ضد کے ساتھ اس وقت مشغول نہیں ہو سکتا اور جب دونوں کا اجتماع مشکل ہے تو فنا ہونے والی دنیا کو چھوڑ کر باقی رہنے والی آخرت کو لے لے۔

بعض کا کہنا ہے کہ دنیا تھی اور میں نہیں تھا، اور یہ رہے گی اور میں نہ رہوں گا۔

ہم نہ تھے کل کی بات ہے فانؔی
ہم نہ ہوں گے وہ کل بھی دور نہیں
تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسے امام سے گزر، ایسے نماز سے گزر
مکہ گیا، مدینہ گیا، کربلا گیا
جیسا گیا تھا ویسا ہی چل پھر کے آگیا

کون سی دنیا قابل مذمت ہے؟

اس اعتبار سے دنیا کی چیزوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

(۱) پہلی قسم ان چیزوں کی ہے جو آخرت میں ساتھ رہتے ہیں اور ان کی جزا، بدلہ وغیرہ بعد موت کے معلوم ہوتا ہے۔ وہ ہیں علم اور عمل۔ یعنی علم دین اور اعمال صالحہ۔

علم سے مراد، وہ علم ہے جس سے معرفت ذات اور معرفت صفات الٰہی اور معرفت افعال الٰہی اور ملائکہ اور کتابوں اور رسولوں کی معرفت، معرفت کائنات اور شریعت نبوی وغیرہ حاصل ہو۔

اور عمل سے غرض، عبادات خالص۔ پس عالم بعض اوقات علم سے ایسا مانوس ہوتا ہے کہ سب چیزوں سے زیادہ لذت علم میں پاتا ہے اور یہ لذت اس کو مرنے سے پہلے دنیا ہی میں ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسے عمل کو مذموم دنیا میں شمار نہیں کیا جاتا۔ بالکل اسی طرح عابد بھی عبادت میں ایسی حالت پاتا ہے کہ اگر اس کو روک دیا جائے تو وہ سخت تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ایسے عمل کو بھی عمل آخرت ہی تصور کیا جاتا ہے۔

(۲) دوسری قسم: لذات کا تعلق ان اشیاء سے ہے اور ان خواہشات سے ہے جن سے صرف زندگی میں فائدہ ہو اور آخرت میں ان لذات سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ان کی کوئی جزا آخرت میں ملے۔ جیسے گناہوں سے لذت یاب ہونا یا مباہات سے زائد از حاجت مستفید ہونا۔ جیسے بہت سا سونا چاندی، ان گنت سواریاں، چوپائے، وسیع زراعت، لونڈی، غلام، بلند عمارات، لباس فاخرہ، عمدہ غذائیں، تعیّشاتی رہن سہن وغیرہ۔ یہ سب لذات مرنے سے قبل زندگی ہی تک ہیں۔ اس لیے ان کو مذموم دنیا میں شامل کیا جاتا ہے یہ قابل مذمت دنیا ہے

(۳) تیسری قسم، لذات مذکورہ دونوں قسموں کے لذات کے درمیان ہے۔ جیسے متوسط کھانا، بقدر ضرورت کپڑا، سادہ رہن سہن، ضروری اشیاء، جو آدمی کو آخرت کے سنوارنے میں یعنی عمل میں اور علم میں مدد دیتی ہیں۔ ان سب چیزوں کو بھی لذات دنیاوی میں شمار نہیں کیا جاتا، اس لیے

کہ یہ آخرت کے لیے مددگار ہیں۔اس طرح یہ قسم بھی قسم اول کے لذات میں شامل ہے۔
حدیث: زیادہ نقصان میں وہ شخص ہے جو دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت کھودے۔

شخصیت کی تعمیر

اسلامی عقیدۂ توحید ہے۔یعنی خدائے واحد کو سب کچھ سمجھنا اور بقیہ تمام چیزیں اسی عقیدے کے لوازمات ہیں۔عبادات، اخلاق، معاملات سب کا سرچشمہ یہی عقیدۂ توحید ہے۔ایک لفظ میں اسلامی زندگی خدارخی زندگی کا نام ہے۔اسلام میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ان نمازوں کے درمیان تقریباً ۳۰ ربار ''اللہ اکبر'' کہا جاتا ہے۔اس کے علاوہ بعض نمازوں کے بعد خصوصی تسبیح پڑھی جاتی ہے، جس میں بار بار ''اللہ اکبر'' کا ذکر کیا جاتا ہے۔گویا کہ ۲۴ رگھنٹوں میں ایک مسلمان جس بات کا سب سے زیادہ ذکر کرتا ہے وہ ''اللہ اکبر'' ہے۔(بشمول اذان اور اقامت کے کلمات) اللہ اکبر کا مطلب خدا سب سے بڑا ہے اور سب انسان آپس میں برابر ہیں۔مقصد زندگی کے اعتبار سے اللہ اکبر کا نشانہ صرف ایک ہے اور وہ ہے آدمی کے اندر تواضع کا جذبہ پیدا کرنا اور کبھی انانیت نزدیک نہ آنا، اس کے ساتھ ساتھ اعتراف کا جذبہ، اتحاد کا ماحول اور درگزر کا جذبہ ہونا ضروری ہے۔

جدید زمانہ اور اسلام

جدید زمانہ تین باتوں پر مشتمل ہے۔

(۱) جدید سائنسی دریافت۔

(۲) جدید تہذیب۔

(۳) جدید فلسفیات افکار ونظریات۔

جدید سائنسی دریافت

دراصل یہ قدرت میں پوشیدہ قوانین کی دریافت ہے اور یہ قوانین خالق کائنات کے مقرر کردہ ہیں جو قرآن بھیجا ہے۔ ایسی صورت میں سائنسی دریافتوں کا اسلام سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ قرآن کے الفاظ وہ خالقِ کائنات کے ''تدبیر امر'' کی تفصیل ہے۔

جدید تہذیب

جدید مغربی تہذیب دو قسم پر مبنی ہیں۔ ایک وہ جو فطرت کے اصول پر مبنی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ اسلام کے لیے پوری طرح قابل قبول ہے۔ اس تہذیب کا دوسرا حصہ جو ذہنی بے راہ روی کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، یہ اسلام کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ جیسے عورتوں کے لیے بے پردگی، عریانیت کا فیشن، مرد و زن کا اختلاط، شراب کا عام رواج، تعیّشات کا بے قید چلن وغیرہ یہ اسلام کے خلاف ہے۔

جدید دور کے فلسفیانہ افکار

اہل سائنس کے درمیان قانون تعلیل یعنی Principle of causation ایسی چیز ہے جو خدا کے وجود کی نفی کرتا ہے کہ واقعات فطری (قدرتی) اسباب کے تحت صادر ہوتے ہیں اور وہ مافوق الفطرت کے پیدا کردہ نہیں ہے۔

دل و دماغ جو بچپن سے میکدے میں پلے   حرم کے حق میں ہے وہ مارِ آستین عامؔر
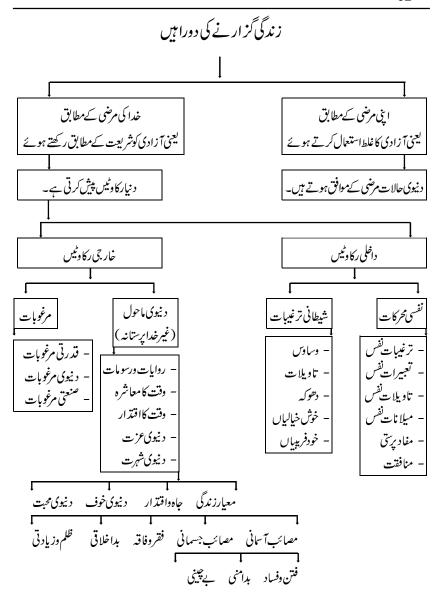
انسان کے دشمن تین ہیں: (۱) دنیا۔ (۲) شیطان۔ (۳) نفس۔

نفس سے پرہیز اس طرح کہ ترک شہوات اور خواہشات کریں۔ اور شیطان سے

مخالفت اس طرح کہ جو چیزیں صرف زندگی میں کام آنے والی ہیں اور قبر میں کام نہیں آتیں، ان سے بقدرِ ضرورت فائدہ اٹھائیں۔ جیسے کھانا، لباس، مکان، نکاح۔ اور جو چیزیں ضروری ہیں ان سے بقدر حاجت وضرورت مستفید ہوں ان کی محبت میں نہ پڑیں۔

چین سب کو مل جائے اس نظام عالم میں
اس لیے ہی قدرت نے ہم کو کج ادائی دی

نفس انسانی مرکب ہے

علم
(یعنی تزکیۂ علم)
یعنی عوام کے علم اور ادراک کو پاک کرنا
(عقائد والا علم ہی سرچشمۂ عمل ہے)

عمل
(تزکیۂ عمل)
یعنی عوام کو حب دنیا، خواہشات نفس اور دنیارخی زندگی سے دور رکھنا
(عمل کی بنیاد عقائد صحیحہ پر ہی ہے)

فساد علم کی جڑ، شرک ہے — اور — فساد عمل کی جڑ انکار آخرت ہے

انبیاء کی آرزو
رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا رہی ہے

توحید — عقیدۂ آخرت

اوامر ونواہی
یعنی اسلامی احکام پر عمل کرنا

شرائع اور احکام، حقیقت میں تزکیہ کے جزئیات ہیں جو تزکیہ کو کامل کرتی ہیں، اور تزکیہ کو روشن کرتی ہیں، تلاوتِ آیات سے ایمان پیدا ہوتا ہے، اور اسی ایمان کو مؤمن اپنے

عمل سے بڑھتا ہے،علم،عمل ہی سے پختہ ہوتا ہے۔پس اسلامی قوانین کا اصل مقصد تزکیہ اورتقوی کو بڑھانا ہے۔جیسے نماز، بے حیائی اور منکرات سے روکتی ہے۔زکوۃ،اپنے مال کی پاکیزگی کے لیے دی جاتی ہے۔اور روزے سے مقصد تقوی اور پرہیزگاری ہے۔حج میں بہت سے مقاصد ہیں۔اگر اسلامی قوانین ان مفاد سے محروم ہو جاتے ہیں تو تزکیہ اورتقوی نہیں حاصل ہوسکتا۔اسلامی احکام اور قوانین کو اللہ تعالیٰ کے صفات اور آخرت کے عقیدے کے درمیان رکھ کر قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے،تاکہ قاری احکام سے متاثر ہوکر عمل پیرا ہو جائے۔
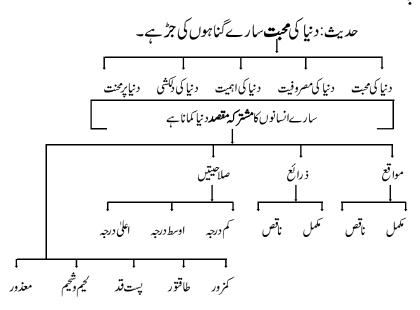
مذکورہ اسباب مختلفہ کی وجہ سے انسانوں کے درمیان ہر اعتبار سے فرق ہوگیا ہے۔کوئی اچھے مواقع اور اچھے ذرائع پاتا ہے اوران کے ساتھ ساتھ اس کی صلاحیتیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں اچھی ہوتی ہیں۔اور جسمانی طاقت وصحت وغیرہ بھی۔اور دیگر خوبیاں

بھی اس میں ہوتی ہیں، تو ایسا شخص دنیا میں تعلیم یافتہ ہو جاتا ہے، پھر خوشحال زندگی گزارتا ہے، اپنے اخلاق اور عادات کو سنوارتا ہے، معاشرے میں شہرت ہو جاتی ہے، تعلیم وتربیت، اخلاق اور حسن معاشرت میں سب سے آگے نکل جاتا ہے، جس کی وجہ سے کم وقت اور کم محنت سے زیادہ دولت کما سکتا ہے۔

اس کے برخلاف کوئی ایسا ہوتا ہے کہ اس کو مواقع بروقت اور موزوں نہیں مل سکتے۔ ذرائع محدود ہوتے ہیں، حالات ناسازگار، صلاحیتوں کے اعتبار سے بھی کمی ہوتی ہے، ایسی صورت میں ایسا آدمی سخت محنت کے باوجود زیادہ دولت نہیں کما سکتا۔ اس کے علاوہ مذکورہ اسباب کی وجہ سے دنیا کے سارے انسانوں کے درمیان دولت کے اعتبار سے، تعلیم کے اعتبار سے، جاہ واقتدار کے اعتبار سے، رہن وسہن کے اعتبار سے، معاشرے میں رتبہ کے اعتبار سے، دینی، علم اور عمل کے اعتبار سے، عادات واطوار کے اعتبار سے، حسب ونسب کے اعتبار سے، اور دیگر متفرقہ اعتبارات کے پیش نظر فرق ہو جاتا ہے۔ یہ سنت اللہ ہے۔ پھر نتیجتاً کوئی دولت مند، کوئی مفلس، کوئی خوشحال، کوئی بدحال، کوئی کثیر العیال تو کوئی لاولد، کوئی کم اولاد والا، کوئی اولاد نرینہ، تو کوئی اولاد نساء، کوئی عالم، تو کوئی جاہل، کوئی حاکم، تو کوئی محکوم، کوئی آقا، تو کوئی خادم، کوئی ذہین، کوئی غبی، کوئی نادان، تو کوئی عقلمند، کوئی قدآور تو کوئی کشیدہ قامت، کوئی خوبصورت، تو کوئی قبیح، کوئی زمیندار، تو کوئی کاشتکار، کوئی چودھری، تو کوئی سردار، کوئی فقیر، تو کوئی مسکین، کوئی صحت مند، تو کوئی بیمار وغیرہ وغیرہ۔ انہی اختلافات سے دنیا بھری ہوئی اور سجی ہوئی ہے۔ نتیجتاً دولت مند میں تکبر، فخر وغرور۔ فقیر میں مسکنت، عاجزی، خاکساری۔ اور کم دولت مند میں حسد، ہوس کا جذبہ۔ اس طرح ساری روحانی بیماریاں جیسے ظلم وزیادتی، فتنہ وفساد، لوٹ گھسوٹ، ناانصافی وغیرہ سے دنیا معمور ہے۔ یہ

خرابیاں ہر شہر میں، ہر ملک میں، ہر بستی، اور ہر خاندان میں، مشرق میں، مغرب میں، شمال میں، جنوب میں، ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر ایک کا دل حرص و ہوس، رشک وحسد، فخر وغرور سے بھرا ہوا ہے۔ چاہتا تو ہر ایک یہی ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ دنیا مل جائے، لیکن سنت اللہ ہے کہ سب کو سب کچھ نہیں ملتا، سب کو کچھ کچھ ملتا ہے، پھر کسی کو دیر سے، کسی کو جلدی۔

دنیا کی چاہت تو سب کے دل میں ہے لیکن حصول دنیا میں کمی اور زیادتی سب من اللہ ہے اور یہ حکمتِ الٰہی کا قانون ہے، اسی کا نام ''تقدیر'' ہے۔ جس کو دنیا مل گئی تو وہ تکبر کی نفسیات میں جینے لگا اور جس کو کم ملا وہ حسد کی نفسیات میں پڑ گیا۔ اس طرح تقدیر پر راضی تو دونوں بھی نہ ہو سکے۔ دولت مند کے لیے ایک پرچہ ہے کہ فخر وغرور میں پڑ جاتا ہے یا نہیں، جس کو کم ملا اس کا پرچہ یہ ہے کہ یہ حسد کی آگ میں جلتا ہے یا نہیں۔ فرق کا سارا نظامِ عالم انسان کی آزمائش کے لیے ہے۔

کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا
کہیں زمیں تو کہیں آسماں نہیں ملتا

ہر انسان کے دل میں انانیت کا جذبہ ہے۔ اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں بار بار ایسا ہوتا ہے کہ کسی نادان، کسی فسادی کی طرف سے دوسرے کی انانیت کو دھکا پہنچتا ہے۔ اکثر حالات میں اس کا بہترین حل یہ ہے کہ ابتدائی تکلیف کو برداشت کرلیں۔ اس کو (Tolerance) کہتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کنکری کی چوٹ کو برداشت کر لینا۔ چنانچہ برداشت کے لیے بھی صبر کی ضرورت ہے۔ بہر حال اعراض (Avoidance)- اور برداشت یعنی (Tolerance) دونوں بہترین عملی حد ہے۔ اور دونوں کے لیے بھی صبر کی ضرورت ہے۔

دنیا کی محبت سے کیا حاصل ہوتا ہے؟
تکبر
حسد
تکبر انسان میں ۸/ذرائع سے آتا ہے۔
(۱)علم کے ذریعہ
(۲)عمل کے ذریعہ
(۳)مال کے ذریعہ
(۴)خوبصورتی کے ذریعہ
(۵)ہنر اور فن کے ذریعہ
(۶)حسب ونسب کے ذریعہ
(۷)جاہ واقتدار کے ذریعہ
(۸)طاقت اور کثرت کے ذریعہ
(۱)عداوت، دشمنی اور مخالفت کے ذریعے
(۲)برابر والے کی عزت وشہرت ناگوار ہوتی ہے
(۳)کسی کو حقیر اور ذلیل سمجھنے سے
(۴)کسی کو غیر متوقع کوئی نعمت مل جانے سے
(۵)اونچے مرتبہ کی خواہش سے
(۶)مقصد پورا نہ ہونے کے خوف سے
(۷)خود نفس میں خباثت اور بخالت ہونے سے
تکبر کا علاج
تزکیہ اور صبر کے ذریعہ
(۱)تکبر کو دل سے نکالنا
علمی علاج
عملی علاج
نفس کی معرفت
خالق کی معرفت
(۱)جبراً تواضع اختیار کرنا
(۲)جس کا اظہار اعضاء سے ہوتا ہے
اعضاء کا اثر دل پر ہوتا ہے
(۲)اسباب تکبر کو دور کرنا
علم سے
غور وفکر سے
عملی مشق سے
صبر سے
حسد کا علاج
تزکیہ اور صبر کے ذریعہ
علمی علاج
عملی علاج